

## واقعہ فدک

<"xml encoding="UTF-8?>

واقعہ فدک کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک حجاز کا ایک قریب ہے اور مدینہ کے قریب ہے۔ مدتیوں وہاں یہودی آباد تھے اور وہاں کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ وہاں یہود کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔

7ھ میں اہل فدک نے حضور اکرم (ص) کے رعب ودبب سے مروعہ ہو کر فدک کی زمین ان کے حوالہ کر دی تھی اور فدک خالص رسول خدا (ص) کی جاگیر تھی۔ کیوں کہ سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **وَمَا آفَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَارْكَابٍ** ..... ان میں سے اللہ جو رسول کو عطا کردے جس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کردے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

رسول خدا (ص) نے سر زمین فدک میں اپنے ہاتھ سے گیارہ کھجوریں بھی کاشت فرمائی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے فدک کی ممکنل کی ممکن جاگیر اپنی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زبرا کو بھی فرمادی۔ فدک ہبہ ہونے کے بعد ممکنل طور پر حضرت سیدہ

کے تصرف میں رہتا تھا۔ جب حضور اکرم کی وفات ہوئی تو حضرت ابو بکر نے علی و فاطمہ کو اپنا سیاسی حریف سمجھتے ہوئے فدک پر قبضہ کر لیا۔ فدک خاندان محمد (ص) کے تصرف میں تھا۔ اس قبضہ اور تصرف کا ثبوت حضرت علی کے اس خط سے بھی ملتا ہے جو انہوں نے والی بصرہ عثمان بن حنیف کو تحریر کیا تھا۔ س خط کے ضمن میں آپ نے یہ الفاظ تحریر کیئے:

"بَلِيْ قَدْ كَانَتْ فِيْ اِيْدِيْنَا فَدَكْ مِنْ كُلِّ مَا اَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ فَشَحَّتْ بِهَا نَفْوُسُ قَوْمٍ وَسَخَّتْ عَنْهَا نَفْوُسُ آخَرِيْنْ ..... اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کے ایک فدک ہمارے ہاتھوں تلے تھا۔ اس پر بھی لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پروانہ کی۔ اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ (2)۔

حضرت سیدہ فاطمہ زبرا (س) ہی شرعی لحاظ سے اس جاگیر کی بلا شرکت غیر مالک تھیں۔ خلیفہ کا فرض تھا کہ ہبہ رسول (ص) کو اصلی حالت پر رینے دیتے اور اس میں کسی کسی قسم کا تصرف نہ کرتے اور اگر بالفرض خلیفہ صاحب کو اس ہبہ پر کوئی قانونی اعتراض تھا تو بھی قانون کا تقاضہ یہ تھا کہ مقدمہ کے تصفیہ تک فدک کو حضرت سیدہ (س) کے تصرف میں رینے دیا جاتا۔

اور اس مقدمہ کا عجیب ترین پہلو یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کا یہ موقف تھا کہ فدک کی جاگیر حضرت سیدہ کی نہیں ہے بلکہ عامتہ المسلمین کی ہے اور یہ قومی ملکیت ہے اسی لئے اس جاگیر پر انہوں نے بزور حکومت قبضہ کر لیا۔ تو حضرت سیدہ نے اپنا قبضہ واپس لینے کا مطالبہ حضرت ابو بکر سے کیا۔ تو اب صورت حال یہ ہے کہ حضرت سیدہ (س) مدعیہ تھیں اور اس مقدمہ میں حضرت ابو بکر مدعی علیہ تھے۔

اس مقدمہ میں ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جو فریق ثانی تھا وہی منصف بھی تھا۔ حالانکہ سیدہ کی بات تھی کہ مقدمہ حضرت ابو بکر کے خلاف تھا یا کم از کم عوام الناس کے خلاف تھا جن کے سربراہ حضرت ابو بکر تھے تو ان دونوں صورتوں میں مقدمہ حضرت ابو بکر کے ہی خلاف تھا اب انہیں قانونی سطح پر اس مقدمہ کی سماعت کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اور نہ ہی انہیں اس مقدمہ میں منصفی کا حق حاصل تھا۔

## فڈک مختلف ہاتھوں میں

مقدمہ فڈک کی تفصیل سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرات شیخین کے دور اقتدار میں فڈک قومی ملکیت میں رہا۔

خلیفہ ثالث کے دور میں فڈک کی پوری جاگیر مروان بن حکم کو عطا کی گئی خدا را یہ بتایا جائے کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر کا طرز عمل صحیح تھا یا حضرت عثمان کا طرز عمل صحیح تھا ؟ علمائے اہل سنت اس مقام پر حضرت ابو بکر کے کردار کو مثالی بنا کر پیش کرتے ہیں "ان سے درخواست ہے کہ حضرت عثمان نے تو اس مسئلہ میں ان کے طرز عمل سے انحراف کیا تھا۔ اب ان دونوں خلفاء میں سے کون صحیح تھا اور کون غلط تھا ؟

فڈک اگر بنت رسول (س) کے ہاتھ میں تو لوگوں کو اچھا نہ لگا اب جو مروان جیسے افراد کے ہاتھوں میں چلا گیا تو اس وقت امت اسلامیہ کیوں خاموش ہو گئی ؟ جب کہ حضرت ابو بکر کہہ چکے تھے کہ فڈک کسی فرد واحد کی نہیں پوری امت اسلامیہ کی ملکیت ہے ؟

اور جب معاویہ بن ابو سفیان کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے فڈک کی جاگیر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک تھائی مروان بن حکم طریقہ رسول کے پاس رہنے دی۔ ایک تھائی حضرت عثمان کے فرزند عمرو بن عثمان بن عفان کو عطا کی گئی۔ ایک تھائی اپن بیٹے یزید بن معاویہ بن ابو سفیان کے حوالے کی گئی۔

اور جب یزید کے بعد مروان کو حکومت ملی تو اس نے خلیفہ ثالث کے عمل کو حجت قرار دیتے ہوئے اپنے دونوں شریکوں کو بے دخل کر دیا اور خود سارے فڈک پر قابض ہو گیا۔

بعد ازاں یہی فڈک اس کے بیٹے عبد العزیز کی ملکیت بنا اور جب عبدالعزیز کا بیٹا حضرت عمر بن عبد العزیز بر سر اقتدار آیا تو اس نے فڈک سے اپنے خاندان کو بے دخل کر کے اولاد فاطمہ کے حوالہ کر دیا اور جب حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات ہوئی تو بنو امیہ میں سے یزید بر سر اقتدار آیا۔ اس نے اولاد فاطمہ سے فڈک چھین کر اولاد مروان کے حوالے کر دیا۔ بنو امیہ کی حکومت کے خاتمہ تک فڈک اولاد مروان کے پاس رہا۔

اور جب بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی اور بنی عباس کا اقتدار شروع ہوا تو ابو العباس سفاح نے فڈک اولاد فاطمہ کے حوالہ کیا۔

منصور دوانیقی نے بنی فاطمہ سے چھین لیا۔ بعد از ان اس کے بیٹے مہدی نے فڈک بنی فاطمہ کے حوالہ کیا۔ جسے ہادی اور رشید نے پھر واپس لے لیا۔ مامون الرشید عباسی نے فڈک واپس کیا تھا جسے بعد میں معتصم نے واپس چھین لیا۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کے متعلق مورخین خاموش ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام کے ہاتھ میں فڈک ایک ایسا کھلونا تھا۔ جسے جب چاہتے وارثان بازگشت کو دے دیتے تھے اور جب چاہتے اپنے قبضہ میں لے لیا کرتے تھے۔ مامون الرشید عباسی نے فڈک کی واپسی کے لئے جو تحریری احکام روانہ کیے تھے وہ انتہائی علمی قدرو قیمت کے حامل ہیں۔ جس میں اس نے پوری تفصیل ووضاحت کے ساتھ وارثان فڈک کی نشاندہی کی تھی۔

## مامون کی واپسی فدک

مامون الرشید عباسی کے خط کو مورخ بلاذری نے نقل کیا ہے ۔

سن 210 ہجری میں مامون الرشید نے فدک کی واپسی کے احکام جاری کیے اور اس نے مدینہ کے عامل قشم بن جعفر کو خط تحریر کیا

اما بعد ، فانَ اميرالمؤمنين بمکانة من دین الله وخلافة رسوله والقرابة به اولی من سنتن سنته ونفذ امره و سلّم  
لمن منحه منحة وتصدق علیه بصدقه منحته و صدقته . وقد کان رسول الله اعطی فاطمة بنت رسول الله فدک  
وتصدق بہا علیہا وکان امرا ظاہرا معروفا لا اختلاف فیه فرای امیرالمؤمنین ان یردها الی ورثتها و یسلّمها الیهم  
تقربا الی الله باقامة حقه وعدله والی رسول الله بتنقیذ امره وصدقته ....الخ

"امیر المؤمنین کو اللہ کے دین میں جو مقام حاصل ہے اور انہیں رسالت مآب کی جانشینی اور جو قربت حاصل  
ہے ، ان تمام چیزوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رسول خدا(ص) کی سنت پر عمل پیرا ہوں اور نبی اکرم کے فرمانیں کو  
نفاذ میں لائیں اور رسول خدا نے جسے جو کچھ عطا کیا تھا اس عطا کو اس تک پہنچائیں ۔

جناب رسول خدا نے اپنی دختر حضرت فاطمہ زبرا (س) کو فدک عطا کیا تھا ۔ یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے  
اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔

اسی لئے امیر المؤمنین کی یہ رائے ہے کہ فدک اس کے وارثوں کو واپس کر دیا جائے اور اس عمل کے ذریعہ سے  
امیر المؤمنین اللہ کی قربت کے خواہش مند ہیں اور عدل و انصاف کی وجہ سے رسول خدا کی سنت پر عمل پیرا  
ہونا چاہتے ہیں ۔ "بعداً ان مامون الرشید نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ سرکاری ریکارڈ میں اس بات کو لکھا  
جائے ۔ رسول خدا کی وفات کے بعد سے ہمیشہ ایام حج میں ای اعلان کیا جا رہا ہے کہ رسول خدا (ص) نے جس  
کسی کو کوئی صدقہ یا جاگیر عطا کی ہو تو وہ آکر وصول کرے اس کی بات کو قبول کیا جائیگا ۔ اس کے باوجود  
آخر خدا کی دختر کو ان کے حق سے محروم رکھنے کا کیا جواز ہے ؟

مامون الرشید نے اپنے غلام خاص مبارک طبری کو خط لکھا کہ فدک کی مکمل جاگیر کو جملہ حدود کے ساتھ  
اولاد فاطمہ کو واپس کیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے لئے محمد بن یحیی بن زید بن علی بن الحسین بن علی  
بن ابی طالب اور محمد بن یحیی اور عبد اللہ سے مدد حاصل کی جائے اور فدک کے لئے ایسے  
انتظامات کیے جائیں جس کی وجہ سے وباں زیادہ پیدا وار ہو سکے ۔  
درج بالا خط ذی الحجہ 210 ہ میں لکھا گیا .....(3).

صیّبت علیٰ مصائب لوانہا

صیّبت علیٰ الایام صرن لیالیا

مجھ پر اتنے مصائب آئے اگر وہ دنوں پر پڑتے تو وہ راتوں میں تبدیل ہوجاتے (ماخوذ از مرثیہ فاطمہ زیرا علیہا السلام)۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فدک کی جاگیر عطا فرمائی پھر آپ نے وہ جاگیر حکم خداوندی کے تحت اپنی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زیرا علیہا السلام کو ہبہ فرمائی۔ رسول خدا کی حیات مبارکہ جناب فاطمہ اس جاگیر پر تصرف مالکانہ رکھتی تھیں اور جب جناب رسول خدا کی وفات ہوئی تو حضرت ابو بکر نے حضرت فاطمہ کے ملازمین کو فدک سے بے دخل کر دیا اور اسے

بحق سرکار ضبط کر لیا۔ جناب زیرا سلام اللہ علیہا کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ اپنے حق کی بازیابی کے لئے حضرت ابو بکر کے دربار میں تشریف لے گئیں اور اپنے حق کا مطالبہ کیا۔

جس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے ایک نرالی حدیث پڑھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:-  
نحن معاشر الانبياء لل نرث ولا نورث ما تركناه صدقة " ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

## "لوارثی" حدیث اور قرآن

اس حدیث کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کے واحد راوی حضرت ابو بکر ہیں اسی حدیث کی طرح حضرت ابو بکر سے ایک اور حدیث بھی مروی ہے۔

جس وقت رسول خدا کی وفات ہوئی اور مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ حضور اکرم کو کہاں دفن کیا جائے تو حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ جناب رسول خدا کا فرمان ہے:-

"ما قبض نبی الا ودفن حيث قبض" جہاں کسی نبی کی وفات ہوئی وہ اسی جگہ ہی دفن ہوا۔ جب کہ مورخ طبری ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت سے انبیاء کرام اپنی جائے وفات کے علاوہ دوسرے مقامات پر دفن ہوئے ہیں۔

حضرت زیرا سلام اللہ علیہا نے اس حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انبیاء کی میراث ان کی اولاد کو نہیں ملتی تھی تو حق تویہ بنتا تھا کہ رسول خدا خود اپنی بیٹی سے کہہ دیتے کہ میری میراث تمہیں نہیں ملے گی۔ طرفہ یہ ہے کہ جس شخصیت کو میراث ملتی تھی اسے نہیں کہا اور چیکے سے یہ بات ایک غیر متعلقہ شخص کے کان میں کہہ دی گئی اور یہ "لوارثی حدیث" حضرت علی نے بھی نہیں سنی تھی کیونکہ اگر انہوں نے سنی ہوتی تو اپنی زوجہ کو حق میراث کے مطالبہ کی کبھی اجازت نہ دیتے۔ علاوہ ازاں اتنی ایم بات حضور اکرم نے صرف حضرت ابو بکر کو ہی کیوں بتائی دوسرے مسلمانوں کو اس سے بے خبر

## "لا وارثی حدیث" قرآن کے منافی ہے

مذکورہ حدیث لاوارثی حدیث کے متعلق حضرت فاطمہ (س) کا موقف بڑا واضح اور ٹھووس تھا۔ انہوں نے اس حدیث کو یہ کہہ کر ٹھکرایا کہ یہ حدیث قرآن کے منافی ہے۔

1:- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین** "اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے۔ بیٹے کو بیٹی کی بہ نسبت دو حصے ملیں گے (4)۔ اس آیت میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔

2:- اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی میراث کے متعلق واضح ترین الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے : "ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان و الاقربون" اور ہر کسی کے ہم نے وارث ٹھہرا دئیے اس مال میں جو مان باپ اور قرابت چھوڑ جائیں (5)۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ لفظ "ولکل" پر اچھی طرح سے غور فرمائیں اس آیت مجیدہ میں بڑی وضاحت سے "ہر کسی" کی میراث کا اعلان کیا گیا۔

میراث سے تعلق رکھنے والی جملہ آیات کی تلاوت کریں۔ آپ کو کسی بھی جگہ یہ نظر نہیں آئے گا کہ اللہ نے فرمایا ہو: کہ ہر کسی کے وارث ہوتے ہیں لیکن انبیاء کے نہیں ہوتے۔ میراث انبیاء کی اگر قرآن مجید میں کسی جگہ نفی وارد ہوئی ہے تو اس آیت مجیدہ کو بحوالہ سورت بیان کیا جائے اور قیامت تک تمام دنیا کو ہمارا یہ چیلنج ہے کہ اگر قرآن میں ایسی آیت ہے تو پیش کریں

## لاوارثی حدیث کے تین اجزاء ہیں :-

- 1:- انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے۔
- 2:- انبیاء کی اولاد وارث نہیں ہوتی۔
- 3:- انبیاء کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

قرآن مجید مذکورہ بالا تینوں اجزا کی نفی کرتا ہے ۔

الله تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا :- " وورث سلیمان داؤد " سلیمان علیہ السلام ، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے ۔

اگر نبی کسی کا وارث نہیں ہوتا تو سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد کے وارث کیوں بنے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ " لاوارثی " حدیث کا پہلا جز صحیح نہیں ہے ۔

علاوہ ازین مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سلیمان " داؤد کے وارث بنے ۔

اب جس کے سلیمان وارث بنے وہ بھی تو نبی تھے ۔ اگر " لاوارثی " حدیث کا دوسرا جز صحیح ہوتا یعنی نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو داؤد کی میراث کا اجراء کیوں ہوا ۔ ان کی میراث کو صدقہ کیوں قرار دیا گیا ۔ تو گویا یہ

ایک آیت " لاوارثی " حدیث کے تینوں اجزا کو غلط ثابت کرتی ہے ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قرآن مجید میں مذکور ہے :-

" قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظَمُ مِنِي وَأَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْئًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيقًا (٤) وَإِنِّي خَفْتُ الْمَوَالِيِّ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا (٥) يَرِثُنِي وَبِرِثُ مِنْ آلٍ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (٦) يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِعَلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلٍ سَمِيًّا " زکریا نے کہا میرے رب میری بُدھیاں کمزور بوجنگیں اور سریز ہاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا اور اسے رب میں تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں ہوا اور میں اپنے پیچھے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری عورت بانجھے ہے مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا کر جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کی جو میراث مجھے ملی ہے اس کا بھی وارث ہو اسے میرے رب اسے نیک بنانا ۔ اللہ تعالیٰ نے کہا : اے زکریا ! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحیی ہے اس پہلے ہم نے کسی کا یہ نام نہیں رکھا (6) درج بالا آیت کو مکرر پڑھیں ، حضرت زکریا نے اللہ سے اپنا وارث مانگا اور اللہ نے انہیں وارث بھی دیا اور اس وارث کا نام بھی خود ہی تجویز فرمایا ۔

اگر انبیاء کی میراث ہی نہیں ہوتی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے وارث کی درخواست کیوں کی ؟

اور اگر بالفرض انہوں نے وارث کے لئے دعا مانگ بھی لی تھی تو اللہ نے انہیں یہ کہہ کر خاموشی کیوں نہ کرا دیا کہ تم تونبی ہو ۔ تم یہ کیا کہہ رہ ہو ؟

نبی کی میراث ہی نہیں ہوتی ۔ لہذا تمہیں وارث کی دعا ہی سرے سے نہیں مانگنی چاہیے ؟

اگر انبیاء کی میراث ہی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وارث کیوں عطا فرمایا اور اس وارث کا نام بھی خود ہی تجویز کیوں کیا ؟

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے مذکورہ بالا آیات کی اور ان آیات سے " لا وارثی " حدیث کی تردید فرمائی ۔

لیکن حضرت ابوبکر نے تمام آیات سن کر بھی حضرت سیدہ کو حق دینے سے انکار کر دیا ۔

پھر حضرت سیدہ نے آخر میں فرمایا :-

فدونکھا مخطوطۃ مرحومۃ نلقاک یو حشرک ..... فنعم الحكم الله ..... والموعد القيامة وعند الساعة یخسر المبطلون ۔

" اب تم اپنی خلافت کو نکیل ڈال کر اس پر سوار ریو ۔ اب قیامت کے دن تجھ سے ملاقات ہوگی ۔ اس وقت فیصلہ کرنے والا اللہ ہوگا اور وعدہ کا مقام قیامت ہے اور قیامت کے روز باطل پرست خسارہ اٹھائیں گے " یابن ابی قحافة افی کتاب اللہ ان ترث اباک ولا ارت ابی لقد جیت شیا فریا افعلی عمد ترکتم کتاب اللہ ونبذتموه

وراء اظہرکم ؟

الم تسمع قوله تعالى واولوالارحام بعضهم اولى ببعض في كتاب الله اخصكم الله باية اخرج ابى منها ؟ ام تقولون  
اھلی ملّتین لا یتوارثان ؟

اولست انا وابی من ملّة واحدة ؟ انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومه من ابی وابن عّمی ؟

"ابو قحافہ کے فرزند ! کیا اللہ کی کتاب کا یہی فیصلہ ہے کہ تم تو اپنے باپ کے وارث بنو اور میں اپنے والد کی  
میراث سے محروم ریوں ؟ تم ایک عجیب چیز لائے ہو -

تو کیا تم نے جان بوجہ کر اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اور اسے پس پشت ڈال دیا ؟ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ  
فرمان نہیں سنا کہ : رشتہ دار ہی ایک دوسرے کے اللہ کی کتاب میں وارث ہیں ؟ اور کیا اللہ نے تمہیں میراث کے  
لئے مخصوص کرنے کے لئے کوئی آیت نازل فرمائی ہے جس سے میرے والد کو مستثنی قرار دیا ہے ؟ یا تم یہ  
کہتے ہو کہ دو ملت والی افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے ؟ تو کیا میں اور میرے والد ایک ہی ملت سے  
تعلق نہیں رکھتے ؟ اور کیا تم میرے والد اور میرے چچا زاد کی بہ نسبت قرآن کے عموم وخصوص کو زیادہ جانتے  
ہو ؟

ان دلائل قابره اور آیات قرآنیہ پڑھنے کے بعد حضرت سیدہ نے ملاحظہ کیا کہ ان باتوں کا خلیفہ پر کوئی اثر مرتب  
نہیں ہوا تو ناراض ہو کر روتی ہوئی واپس آئیں ۔

حضرت سیدہ کو پہلے سے بی علم تھا کہ خلیفہ انہیں فدک کبھی بھی واپس نہیں کرے گا۔ آپ فقط اتمام حجت  
کے لئے تشریف لی گئی تھیں اور عملی طور پر دنیا کو دکھایا کہ جب چند روز پہلے میرے والد حدیث لکھانا چاہتے  
تھے تو اسی گروہ نے کہا تھا : ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں ہمیں قرآن کافی ہے ۔ اور جب حضرت سیدہ نے اپنی  
میراث کے لیے قرآن پڑھا تو مقابلہ میں "لوارثی" حدیث پڑھ کر سیدہ کو محروم کر دیا گیا ۔

تو گویا حضرت سیدہ نے دربار میں جاکر کا ئنات کو اس دوغلے پن سے آگاہ کیا کہ کل جو حدیث کا انکار کر رہے  
تھے آج وہ قرآنی آیات کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر رہے ہیں ۔ جناب سیدہ کو پہلے سے علم تھا کہ مجھے  
میرا حق فدک نہیں دیا جائے گا ۔ کیونکہ جن لوگوں نے چند روز پہلے ان کے شوپر کی خلافت چھین لی تھی ، وہ  
ان سے فدک بھی چھین سکتے ہیں ۔

## "لوارثی" حدیث اور عقل و نقل کے تقاضے

آئیے ! حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں دیکھیں ۔  
رسول خدا(ص) نے اپنے آپ کو شریعت طاہرہ کے احکام سے کبھی بھی مستثنی نہیں فرمایا ۔

1:- جس طرح سے یہ کہنا غلط ہوگا کہ : ہم گروہ انبیاء نہ تو نماز پڑھیں گے اور نہ ہی روزہ رکھیں گے (نعود بالله  
(مذکورہ فقرہ اس لئے غلط ہے کہ نبی احکام شریعت سے مستثنی نہیں ہوتا ۔

تو جس طرح نبی نماز روزہ اور اسلام کے دیگر احکام سے مستثنی نہیں ہوتا ۔ اسی طرح سے وہ اسلام کے احکام

میراث سے بھی مستثنی نہیں ہوتا ۔

2:- کیا فدک کا مسئلہ جو کہ خالص شرعی مسئلہ تھا ، اس کے نہ دینے میں کوئی سیاسی اغراض تو کار فرما نہیں تھیں ؟

3:- کیا حضرت سیدہ کو محروم وراثت رکھ کر خلیفہ صاحب اپنے سیاسی حریف علی اور اس کے خاندان کو اپنے سرنگوں تو نہیں کرنا چاہتے تھے ؟

4:- اور کیا اس مسئلہ کا تعلق اقتصادیات سے تو نہیں تھا ؟  
یعنی اس ذریعہ سے علی (ع) اور ان کے خاندان کو نان شبینہ سے محروم رکھنا تو مقصود نہ تھا ؟

5:- اور کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ علی (ع) کی مالی حالت کمزور کر کے انہیں خلافت کا امیدوار بننے سے روکنا مقصود ہو ؟

6:- اور کیا فدک چھین لینے میں یہ حکمت عملی تو مد نظر نہ تھی کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت کا انکار کیا تھا۔ انہیں مرتد اور مانعین زکواہ کہہ کر ان پر لشکر کشی کی گئی تھی۔ تو کیا فدک کے چھین لینے میں یہ تصور تو کار فرما نہ تھا کہ اگر فدک علی کے پاس ہوگا تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے مخالفین کی مالی امداد کریں ؟

7:- کیا فدک چھیننے میں یہ فلسفہ تو مضمر نہ تھا کہ آل محمد کے وقار کو لوگوں کی نگاہوں میں گردایا جائے لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ خود رسول خدا (ص) ان لوگوں کو اپنی میراث سے محروم کر گئے ہیں ؟  
تو جن لوگوں کو رسول خدا کی میراث کا حق نہیں ہے انہیں ان کی خلافت کا حقدار کیسے سمجھا جائے ؟

8:- کیا سلب فدک میں بہت سے عوامل کا فرما تھے ؟

9:- اور اگر حضرت ابو بکر کی بیان کردہ حدیث کو درست بھی مان لیا جائے تو اس حدیث کا اطلاق صرف پیغمبر اکرم کے لئے ہوگا یا دوسرے انبیاء پر بھی اس کا انطباق ہوگا ؟

10:- آخر رسول خدا اپنی پیاری دختر کو محروم ارث کیوں رکھنا چاہتے تھے ؟

11:- کیا خدا نخواستہ حضور کریم کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے بعد ان کی بیٹی اور داماد فدک کی کمائی کو غلط مصرف میں لائیں گے ؟

12:- اگر حضور کریم کو یہی اندیشہ تھا تو انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنی دختر کی تحويل میں کیوں دے دیا تھا ؟

13:- اور کیا یہ "خدا نخواستہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ حضرت سیدہ نے اپنے والد کی حیات طیبہ میں اس جاگیر سے سو استفادہ کیا تھا ؟

14:- اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو کب اور کیسے ؟

علامہ ابن الحید معتلی نے اسی مسئلہ کے متعلق قاضی القضاۃ اور علم الہدی سید مرتضی کا ایک خوبصورت مباحثہ نقل کیا ہے۔ قاضی القضاۃ وراثت انبیاء کی نفی کرتے تھے۔ جبکہ سید مرتضی میراث انبیاء کا اثبات کرتے تھے۔

قاضی القضاۃ کا موقف یہ تھا کہ قرآن مجید میں انبیاء کی میراث کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اس سے علم وفضل کی میراث مراد ہے۔ مالی مراد نہیں ہے۔

علم الہدی سید مرتضی کا موقف تھا کہ میراث کا اطلاق پہلے مال و دولت اور زمین پر ہوتا ہے۔ اور یہ اطلاق حقیقی ہوتا ہے۔ علم وفضل کے لئے مجازی طور پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اصول قرآن یہ ہے کہ مجازی

معنی صرف اس وقت درست قرار پاتا ہے جب کہ حقیقی معنی متذر ومحال ہو ۔ انبیاء اگر مالی میراث حاصل کریں تو اس سے کوئی شرعی اور عقلی قباحت لازم آتی ہے کہ ہم حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں ۔ اور اگر قاضی القضاۃ کی بات کو تسليم بھی کر لیا جائے کہ انبیاء کی میراث مالی کی بجائے معنوی یعنی علم وفضل پر مشتمل ہوتی ہے تو اس کا مقصد یہ بھی ہوگا کہ آل نبی پیغمبر کے علم وفضل کے وارث ہیں ۔

اور اگر آل نبی پیغمبر کے علم وفضل کے وارث ہیں تو ان وارثان علم وفضل کی موجودگی میں حضرت ابو بکر کی خلافت کا جواز کیاتھا (7) ۔

## 福德 بعنوان ہبہ

جناب سیدہ نے فدک کا مطالبہ بطور ہبہ بھی کیا تھا جس پر خلیفہ صاحب نے گواہوں کا مطالبہ کیا ۔ حضرت سیدہ کی طرف سے حضرت علی ، حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہم السلام) اور حضرت ام ایمن نے گواہی دی ۔

مگر خلیفہ صاحب نے اس گواہی کو تسليم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نصاب شہادت مکمل نہیں ہے ۔ کیونکہ علی سیدہ کے شوبراں ہیں ۔ اور امام حسن اور امام حسین (علیہما السلام) سیدہ کے فرزند اور ام ایمن ایک کنیز ہے ۔

حالانکہ شہادت ہر لحاظ سے کامل و اکمل تھی ۔

حضرت علی علیہ السلام کی گواہی کس قدر مستند ہے ۔ اس کے لیے سورہ آل عمران کی اس آیت مجیدہ کی تلاوت کریں :-

شَهَدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأَوْلُو الْعِلْمِ قَاتِلُمَا بِالْقَسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔

"الله خود اس بات کا گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ملائکہ اور وہ اہل علم جو عدل پر قائم ہیں کہ اس غالب اور صاحب حکمت اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ۔"

اس آیت میں توحید کے گواہوں میں خود اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور عدل پر قائم رہنے والے اہل علم کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔

وہ اہل علم جو عدل پر قائم ہیں وہ توحید کے گواہ ہیں ۔ اور عدل پر قائم رہنے والے علماء میں علی (ع) سر فہرست ہیں کیونکہ علی (ع) کے علم کے متعلق رسول خدا کی مشہور حدیث ہے ۔ "اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَىٰ بَابِهَا مَبْيَنُ عِلْمِهِ" کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں ۔

اور جہاں تک عادل ہونے کا تعلق ہے تو علی جیسا عادل چشم فلک نے نہیں دیکھا ۔ جب علی توحید کے گواہ ہیں تو پھر فدک گواہ کیوں نہیں ہو سکتے ؟ عجیب بات ہے کہ توحید کی شہادت کے لئے تو علی کی گواہی مستند مانی جائے اور تھوڑی سی جائیداد کے لئے ان کی گواہی کو ٹھکرا دیا جائے ؟ علی صرف توحید کے گواہ نہیں ہیں وہ

رسالت محمديہ کے یہی گواہ ہیں۔ جیسا کہ سورہ رعد کی آخری آیت میں ارشاد خداوندی ہے :- "وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتُ مَرْسُلاً قُلْ كَفِي بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عَنْهُ عِلْمٌ الْكِتَابُ"۔ اور کافر کہتے ہیں کہ تو رسول نہیں ہے۔ کہ دین کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا مکمل علم موجود ہے۔ قول اصح کے مطابق "مَنْ عَنْهُ عِلْمٌ الْكِتَابُ" سے مراد حضرت علی (ع) ہیں۔

اس آیت مجیدہ میں حضرت علی علیہ السلام کو رسالت کا گواہ قرار دیا گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو علی (ع) رسالت محمديہ کے گواہ ہیں۔ ان کی گواہی کو فدک کے لیے معتبر کیوں نہیں تسلیم کیا گیا؟

## فرع کی اصل کے لئے گواہ

حسنین کریمین کی گواہی یہ کہہ کر رد کر دی گئی کہ یہ گواہی "فرع" کی "اصل" کے لیے ہے۔ یعنی امام حسن اور امام حسین (علیہما السلام) چونکہ حضرت سیدہ کے فرزند ہیں اور اولاد کی گواہی والدین کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

جب کہ قرآن مجید کی سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور حضرت مریم کی پریشانی کا ذکر موجود ہے اور جب حضرت مریم کے نو مولود فرزند حضرت عیسیٰ نے ہی اپنی نبوت اور اپنی ماں کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔

اب اگر اولاد کی گواہی والدین کے حق میں قابل نہیں ہے تو اللہ نے حضرت عیسیٰ کی زبانی ان کی ماں کی پاکدامنی کی گواہی کیوں دلائی؟ اگر اس فارمولے کو تسلیم کرلیا جائے کہ ماں باپ کے حق میں اولاد کی گواہی قابل قبول نہیں ہے تو آپ ان روایات کے متعلق کیا کہیں گے جو حضرت عائشہ کی زبانی ان کے والد کے حق میں مروی ہیں؟ خلیفہ صاحب کے دربار میں چار عظیم شخصیات موجود تھیں جن میں سے ایک مدعیہ تھیں کہ اور تین شخصیات گواہ تھیں۔

اب ان چاروں شخصیات کی گواہی کتنی معتبر ہے؟ اس کیلئے واقعہ مبائلہ کو مد نظر رکھیں۔

## مبابلہ کی گواہی

جب عیسائی علماء دلائل نبوی سن کر مطمئن نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت مبابلہ نازل کی اور ارشاد فرمایا :-  
"فمن حاجّك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابنا عنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا  
وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين "(8)۔

"جو علم آئے کے بعد تم سے جھگڑا کرئے تو کہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹے بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاو اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاو اور ہم اپنی جانوں کو لائیں اور تو اپنی جانوں کو لاو پھر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں ۔"

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول خدا (ص) علی (ع) کے گھر تشریف لائے اور علی و فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم السلام) کو اپنی چادر پہنائی اور کہا پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں ۔

رسول خدا نہیں عظیم شخصیات کو لے کر مبابلہ کے لئے روانہ ہوئے جب عیسائی علماء نے ان نورانی چہروں کو دیکھا تو جزیہ دینا قبول اور مبابلہ سے مذکور کرلی ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار شخصیات پورے اسلام کی گواہ ہیں اور ان کی گواہی کا عیسائیوں نے بھی احترام کیا تھا ۔

مبابلہ کے چند ہی دن بعد یہی چاروں شخصیات خلیفہ صاحب کے دربار میں گئیں ۔ ان میں ایک مدعیہ تھیں اور تین گواہ تھے ۔

انسانی ذہن کو انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جن شخصیات کو اللہ نے پوری امت اسلامیہ میں سے بطور نمونہ جماعت صادقین بنا کر غیر مسلمون کے مقابلہ میں بھیجا تھا ، ان شخصیات کی گواہی کو خلیفۃ المسلمين نے رد کر دیا ؟

علاوہ ازین ان ذوات طاہرہ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ نے ان کی طہارت کا قرآن مجید میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا :- انما يرید الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرًا : اے اہل بیت ! اللہ کا تو بس یہی ارادہ ہے کہ وہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح سے پاک بنائے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے (9) ۔

حضرت ابو بکر کا حق تھا کہ حضرت سیدہ کے دعوی کے بے چون و چرا تسلیم کر لیے ۔ کیونکہ تاریخ و حدیث کا مشہور واقعہ ہے کہ حضور کے ساتھ ایک اعرابی نے ناقہ کے متعلق تنازعہ کیا ۔ ہردو فریق ناقہ کی ملکیت کے دعویدار تھے ۔ اعرابی نے رسول خدا (ع) سے گواہ طلب کیا تو حضرت خزیمہ بن ثابت نے حضور کے حق کے متعلق گواہی دی ۔ اور جب حضرت خزیمہ سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ گواہی بغیر علم کے کیوں دے دی ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم محمد کی نبوت اور وحی کی بھی تو گواہی دیتے ہیں جب کہ ہم نے جبریل امین کو اپنی آنکھوں سے اترتے نہیں دیکھا ۔ جب ہم نبوت و رسالت جیسے عظیم منصب کی ان دیکھے گواہی دے دیتے ہیں تو کیا ہم اپنے نبی کے لئے ایک اونٹنی نہیں دیں گے ؟ رسول خدا (ص) نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو صحیح قرار دیا اور انہیں "ذو الشہادتین" یعنی دو گواہیوں والا قرار دیا ۔

حضرت خزیمہ کی طرح اگر حضرت ابو بکر بھی حضرت سیدہ کی روایت ہبہ کو بدون شہود تسلیم کر لیتے تو یہ ان کے لئے زیادہ مناسب تھا ۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر کی "لاؤارشی" حدیث کے متعلق جناب زبرا (س) نے ان سے گواہ نہیں مانگے تھے ۔ جب کہ حضرت سیدہ اس روایت کی صحت سے بھی منکر تھیں ۔

اور علی (ع) جیسے صدیق اکبر کی گواہی رد کرنے کا بھی حضرت ابو بکر کے پاس کوئی جواز نہیں تھا ۔ اور ام ایمن جو کہ رسول خدا (ص) کی دایہ تھیں جن کی پوری زندگی اسلام اور رسول اسلام کی خدمت میں گزری تھی ، ان کی گواہی کو رد کرنے کی آخر ضرورت کیوں پیش آئی تھی ۔

---

- (1):- عبدالفتاح بعد المقصود . الامام علی بن ابی طالب . جلد اول ص 216
- (2):- ابن ابی الحدید . شرح نهج البلاغہ جلد چہارم . ص 28 مکتوب 45
- (3):- البلاذری . فتوح البلدان ص 46 - 47
- (4):- النساء 11.
- (5):- النساء 33.
- (6):- مریم 7-4
- (7):- شرح نهج البلاغہ جلد چہارم . ص 78-103
- (8):- آل عمران ۔
- (9):- الاحزاب